مضمون مطبوعۂ معارف اعظم گڈھ، ستمبر ۱۹۴۱ء

قرآنی تصوّرِ مملکت

از

محمد حمید اللہ استاذ قانون

[illegible]

مطبوعۂ معارف پریس شہر اعظم گڈھ

سنہ ۱۹۴۱

مضمونِ مطبوعۂ معارف اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۴۱ء

از

محمد حمید اللہ استاذ قانون

جامعۂ عثمانیہ

مطبوعۂ معارف پریس شہر اعظم گڑھ

سنہ ۱۹۴۱ء

قرآنی تصوّرِ مملکت

از

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پی ایچ ڈی استاذ جامعہ عثمانیہ

"لائق مضمون نگار جامعہ عثمانیہ مین قانون بین الممالک کے استاذ ہین، اور دنیا کی مختلف قومون کے تصورِ مملکت اور دستورِ حکومت پر ان کی نگاہ ہے، اس مضمون میں اسی نقطۂ نظر سے اسلامی تصورِ مملکت کو انھون نے پیش کیا ہے، موجودہ زمانہ مین اسلامی تعلیمات اور اس کے نظام کو جدید طرز مین اس طرح پیش کرنا جو دوسری قومون اور جدید طبقہ کے لئے بھی قابلِ توجہ ہو، ایک مفید خدمت ہے، یہ مضمون چونکہ اسی نقطۂ نظر سے اور ایک خاص طبقہ کو پیش نظر رکھکر انگریزی مین لکھا گیا تھا، اس لئے زبان اور طریقۂ تعبیر مین اس کے ذوق کا لحاظ رکھا گیا تھا، جس کی کچھ جھلک اس اردو مضمون مین بھی موجود ہے،

جزیرہ نمائے عرب اسلام سے پہلے کبھی ایک اقتدار کے تحت متحد نہین ہو سکا تھا، اور یہ ایک انوکھا اور عجیب وغریب واقعہ تھا کہ پورے ملک نے حضرت محمد صلعم کو متحدہ طور سے اپنا روحانی اور سیاسی سردار تسلیم کر لیا، جس ملک مین نراج کا دور دورہ ہو، وہان دس ہی

سال کی کوشش مین ایک مرکزیت اور نظام قائم کر دینا رسول کریم صلعم کا عظیم الشان کارنامہ تھا، آنحضرت صلعم اپنے آپ کو آسمانی وحی کا تابع قرار دیتے تھے، جو وقتاً فوقتاً آتی تھی، اور جس کا مجموعہ اب قرآن کے نام سے دنیا مین موجود و مشہور ہے، اگر کوئی شخص سیرۃ نبویہ کا قریب سے مطالعہ کرے، تو اسے ام المومنین حضرت عائشہ رض کے اس قول کی صحت کو باور کرنے مین ذرا بھی دشواری نہ ہوگی، کہ قرآن رسول کریم صلعم کی زندگی کا آئینہ ہے، (کَانَ خلقہ القرآن) اسی لئے یہ معلوم کرنا کہ آنحضرت صلعم کی شریعت مین مملکت کا تصور کیا ہے، بڑی آسانی کے ساتھ قرآن کو دیکھنے سے ممکن ہے،

یہ چیز قابلِ ذکر ہے کہ قرآن مجید مین نہ صرف ازمنۂ سابقہ کے پیغمبرون کے حالات بیان ہوئے ہین، بلکہ ان کی سیرتون کو جو قرآن مین ہین اب بھی ماخذ تسلیم کیا گیا ہے، بجز اس کے کہ صراحت سے قرآن اُسے یا اس کے کسی جزء کو منسوخ قرار دے، دوسرے الفاظ مین انبیائے سابقہ کی سنت مسلمانون پر اب بھی واجب التعمیل ہے، بجز اس کے کہ اس کے کسی معین جزء کے نسخ کا کوئی حکم قرآن مجید مین یا رسول کریم صلعم کے افعال و اقوال مین صراحت سے ملتا ہو، ایک آیت ملاحظہ ہو :-

"اولٰئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ الخ یہی وہ لوگ ہین جنکو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی، اگر کوئی لوگ اس کو نہ مانین تو ہم یہ امانت ایسے لوگون کے سپرد کرین گے، جو اس سے انکار نہ کرین، یہی وہ لوگ[1] ہین، جن کی خدا نے ہدایت کی ہے، اس لئے تو ان کی رہنمائی کی پیروی کر (قرآن ۶/۸۹ تا ۹۰ نیز دیکھئے ۴۲/۱۳)

---

[1] اس سے اوپر کی آیتون مین (۱۸) پیغمبرون کے نام لئے گئے ہین جن مین نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، ہارون، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام شامل ہین، اور انہی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے،

امام بخاری اور ترمذی نے ایک حدیث روایت کی ہے، کہ جب کبھی کسی معاملہ مین براہِ راست آسمانی وحی نہین آتی، تو رسول کریم صلعم بجائے عام عربی رواجات کے اہل کتاب کے طریقون کی پیروی فرمایا کرتے تھے،

یہ چیز سیاسی معاملات کی حد تک بھی اسی طرح صادق آسکتی ہے، جس حد تک معاشی و معاشرتی معاملات مین،

معاشرۂ انسانی کی تاریخ پر نظر ڈالین، تو معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کا قیام بڑے عرصہ کے بعد ہوسکا، قرآن مجید مین واقعات کی جو ترتیب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ سب سے پہلے حضرت آدمؑ پیدا ہوئے، جن کو خدا نے زمین پر نائب یا خلیفہ مقرر کیا، وہ نسل انسانی کے باپ تھے، اور بزرگ خاندان ہونے مین ان کا کوئی حریف نہین ہوسکتا تھا، ان کی وفات کے بعد کئی نسلون تک انکی اولاد مین مختلف قسم کے اختلافات اور برائیان کم یا زیادہ مقدار مین ساری رہین، اسی لئے قرآن مجید کے مطابق پیغمبر بھیجے گئے، جو خدا اور عام انسانون کے مابین واسطے کا کام دیتے تھے، اور انسانون کو یہ بتاتے تھے، کہ ان کے خالق کی مشیت اور اسکا حکم کیا ہے، اور نیکی کی ترغیب دیتے اور برائی سے روکتے تھے، ان پیغمبرون نے خلوص کے ساتھ جو بے غرضانہ نصیحتین کین، اور ان کی باتون کو کچھ لوگون نے مانا بھی تو اس جماعت کی حیثیت کسی مملکت کی قرار دینی مشکل ہے، بظاہر قدیم ترین زمانہ مین انبیاء علیہم السلام کی آمد کے باوجود سیاسی نظام اور اقتدار کی ضرورت نہیں پائی جاتی تھی، قرآن مجید مین بھی بارہا ذکر ہے، کہ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم کو سرفرازی عطا ہوئی مگر ایک مملکت کو دوسری مملکت کی جگہ قائم کرنے کا کوئی ذکر نہین ہے، قرآن مجید مین ان تمدنی وحدتون کے غیر سیاسی وجود کے باوجود ان لوگون کی معاشی اور سماجی سرگرمیون کو نظر انداز نہین کیا گیا ہے، لیکن ان چیزون کا ذکر صرف اس طور سے ہوا ہے، کہ لوگ ان کو خدا کی نعمتین سمجھکر

یاد رکھین، اور خدا کی اطاعت کا فریضہ بجا لائین،

بادشاہی کے ذکر کا آغاز قرآن مجید مین حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ملنے لگتا ہے، جب کہ ایک شخص اپنے ملک کے تمام لوگون کی جان و مال پر اپنا اقتدار چلاتا ہوا نظر آتا ہے (دیکھئے قرآن مجید ۲/۲۵۸ نمرود کا قصہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے ادارۂ مملکت مین زیادہ استحکام و ترقی نظر آتی ہے، چنانچہ ان کے زمانہ کے حالات مین (دیکھئے قرآن مجید ۱۲) بادشاہون اور وزیرون اور سرکاری قیدخانون کا بھی ذکر ملتا ہے، (سورۂ یوسف)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو حالات قرآن مجید مین ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ان مقدس رہنما کی تمنا اور کوشش یہ تھی، کہ ارضِ موعود مین ایک مملکت قائم کرین، مگر قوم نے نااہلی کے مظاہرے (عدمِ اطاعتِ احکام الٰہی) سے مایوسی کا سامان کر دیا، آخر ان کی قوم کو چالیس سال تک انتظار کرنے کی ضرورت پیش آئی، کہ ایک بالکل نئی نسل پیدا ہو، جس کی بچپن ہی سے ان کی نگرانی مین تعلیم و تربیت ہو، اور پھر اس نئی نسل کی مدد سے وہ ارضِ موعود کو فتح کرین، مگر اسی اثنا مین حضرت موسیٰؑ نے وفات پائی، اور ان کی چہل سالہ تربیتی اسکیم ان کے بعض فیض یافتون نے مکمل کی، حضرت موسیٰؑ کے زمانہ مین جو فرعونِ مصر تھا، وہ قرآنی تذکرے کے مطابق ایک خاصا باقاعدہ حکمران تھا، جس کا ایک وزیر تھا، اور جس کے مشورے کے لئے معمرین اور اہل الرائے لوگون کی ایک مجلس بھی پائی جاتی تھی، اس مجلس کے اجلاسون کی جو روئداد قرآن مجید مین ہے اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بے سوچے سمجھے اور عاجلانہ فیصلے نہین کیا کرتی تھی، بلکہ اوس کی مشورے مناسب اور قابلِ عمل ہی ہوتے تھے، مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ سے ان کی جدت طرازیون کے باعث کیا برتاؤ کرنا چاہیئے؟ جب فرعون نے یہ سوال پیش کیا، تو مجلس شوریٰ نے نرمی اور اعتدال کا مشورہ دیا تھا، اس زمانہ مین عوام الناس تک ایک حد تک سیاسی شعور

رکھتے نظر آتے ہین، چنانچہ (قرآن مجید ۱۹ ؍ ۲) جب ایک شخص نے حضرت موسیٰؑ کو ان کی سخت گیری کے باعث ملامت کرنی چاہی تو اوس نے یہ الفاظ کہے تھے، کہ

"ان ترید الا ان تکون جبارا فی الارض الخ تو تو زمین مین ایک جبار بنجانا چاہتا ہے، اور صلاح و فلاح کا کام کرنے والون مین سے نہین ہونا چاہتا"

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ مین مجلس دوگانہ یا مرکب بادشاہت کا بھی پتہ چلتا ہے[۵]

طالوت یعنی بادشاہ ساؤل کا قصہ قرآن مجید مین ایک خصوصی دلچسپی کا حامل ہے، بنی اسرائیل کو ان کے دشمن نے شکست دیکر ان کے گھروں سے جلا وطن کر دیا تھا، انتقام کی خواہش نے انھین اس بات پر آمادہ کیا، کہ اپنے پیغمبر سے یہ خواہش کرین کہ ان پر ایک بادشاہ نامزد کیا جائے جو ان کو ساتھ لیکر دشمنون سے لڑسکے :

"اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ الخ یاد کرو جب موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا کہ ہم پر ایک بادشاہ کو مامور کر تاکہ ہم اللہ کی راہ مین لڑسکین، اس (نبی) نے کہا اگر تم لڑنا فرض ہونے کے بعد لڑنے سے انکار کرو تو؟ انھون نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ ہم اللہ کی راہ مین نہ لڑین، جب کہ ہمین ہمارے گھرون اور ہمارے بچون سے نکال باہر کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود جب لڑنا ان پر فرض کیا گیا تو انھون نے روگردانی کی، بجز چند لوگون کے، اللہ ظالمون کو خوب جانتا ہے ان کے پیغمبر نے ان سے کہا: دیکھو اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، انھون نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ وہ ہمارا بادشاہ بنے؟ ہم اس سے زیادہ بادشاہت

---

[۵] قرآن مجید ۲۰ ؍ ۳۲ چنانچہ خود حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی کے متعلق خدا سے دعا کی تھی کہ واشرکہ فی امری (اس کو میرے کام مین شریک بنا)

یاد رکھین ، اور خدا کی اطاعت کا فریضہ بجا لائین ،

بادشاہی کے ذکر کا آغاز قرآن مجید مین حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ملنے لگتا ہے جب کہ ایک شخص اپنے ملک کے تمام لوگون کی جان و مال پر اپنا اقتدار چلاتا ہوا نظر آتا ہے (دیکھئے قرآن مجید ۲/۲۵ نمرود کا قصہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے ادارۂ مملکت مین زیادہ استحکام و ترقی نظر آتی ہے ، چنانچہ ان کے زمانہ کے حالات مین (دیکھئے قرآن مجید ۱۲) بادشاہون اور وزیرون اور سرکاری قیدخانون کا بھی ذکر ملتا ہے ، (سورۂ یوسف)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو حالات قرآن مجید مین ہین ، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ان مقدس رہنما کی تمنا اور کوشش یہ تھی ، کہ ارضِ موعود مین ایک مملکت قائم کرین ، مگر قوم نے نا اہلی کے مظاہرے (عدمِ اطاعتِ احکامِ الٰہی) سے مایوسی کا سامان کر دیا ، آخر ان کی قوم کو چالیس سال تک انتظار کرنے کی ضرورت پیش آئی ، کہ ایک بالکل نئی نسل پیدا ہو ، جس کی بچپن ہی سے ان کی نگرانی مین تعلیم و تربیت ہو ، اور پھر اس نئی نسل کی مدد سے وہ ارضِ موعود کو فتح کرین ، گو

با قاعدہ حکمران تھا ، جس کا ایک وزیر تھا ، اور جس کے مشورے کے لئے معمرین اور اہل الرائے لوگون کی ایک مجلس بھی پائی جاتی تھی ، اس مجلس کے اجلاسون کی جو روئداد قرآن مجید مین ہے اس سے معلوم ہوتا ہے ، کہ وہ بے سوچے سمجھے اور عاجلانہ فیصلے نہین کیا کرتی تھی ، بلکہ اوس کی مشورے مناسب اور قابلِ عمل ہی ہوتے تھے ، مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ سے ان کی جدت طرازیون کے باعث کیا برتاؤ کرنا چاہیئے ؟ جب فرعون نے یہ سوال پیش کیا ، تو مجلس شوریٰ نے نرمی اور اعتدال کا مشورہ دیا تھا ، اس زمانہ مین عوام الناس تک ایک حد تک سیاسی شعور

رکھتے نظر آتے ہین، چنانچہ (قرآن مجید ۱۹/۲) جب ایک شخص نے حضرت موسیٰؑ کو ان کی سخت گیری کے باعث ملامت کرنی چاہی تو اوس نے یہ الفاظ کہے تھے، کہ

"ان ترید الا ان تکون جبارا فی الارض الخ تو تو زمین مین ایک جبار بنجانا چاہتا ہے، اور صلاح و فلاح کا کام کرنے والون مین سے نہین ہونا چاہتا"

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ مین مجلس دوگانہ یا مرکب بادشاہت کا بھی پتہ چلتا ہے،[۵]

طالوت یعنی بادشاہ ساؤل کا قصہ قرآن مجید مین ایک خصوصی دلچسپی کا حامل ہے، بنی اسرائیل کو ان کے دشمن نے شکست دیکر ان کے گھروں سے جلاوطن کر دیا تھا، انتقام کی خواہش نے انھین اس بات پر آمادہ کیا، کہ اپنے پیغمبر سے یہ خواہش کرین کہ ان پر ایک بادشاہ نامزد کیا جائے جو اُن کو ساتھ لیکر دشمنون سے لڑ سکے :

"اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ الخ یاد کرو جب موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا کہ ہم پر ایک بادشاہ کو مامور کر تا کہ ہم اللہ کی راہ مین لڑ سکین، اُس (نبی) نے کہا اگر تم لڑنا فرض ہونے کے بعد لڑنے سے انکار کر دو تو؟ انھون نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ ہم اللہ کی راہ مین نہ لڑین، جب کہ ہمین ہمارے گھرون اور ہمارے بچون سے نکال باہر کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود جب لڑنا ان پر فرض کیا گیا تو انھون نے روگردانی کی، بجز چند لوگون کے، اللہ ظالمون کو خوب جانتا ہے ان کے پیغمبر نے ان سے کہا : دیکھو اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، انھون نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ وہ ہمارا بادشاہ بنے؟ ہم اس سے زیادہ بادشاہت

---

۵ قرآن مجید ۳۲/۲۰ چنانچہ خود حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی کے متعلق خدا سے دعا کی تھی کہ واشرکہ فی امری (اس کو میری کام مین شریک بنا)

کے مستحق ہیں، کیونکہ وہ مالدار نہیں ہو‘ اس (نبی) نے کہا اللہ نے اسی کو تم پر فوقیت دی ہے
اور علم اور جسم میں اس کو وافر حصہ دیا ہے، اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے‘
اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے‘‘

(قرآن مجید ۲/۲۴۶ تا ۲۴۷)

علاوہ اور اہمیتوں کے اس اقتباس میں یہ بتایا گیا ہے، کہ مال و دولت یا حسب و نسب نہیں بلکہ علم و جسم یعنی سیاست[۵] دانی اور بہادری بادشاہت کی اولین ضرورتیں ہیں، اس اقتباس سے یہ اہم چیز بھی معلوم ہوتی ہے، کہ اس زمانہ میں یہودیوں نے مذہب اور سیاست کو الگ چیزیں ہونا تسلیم کر لیا تھا، اور نبی کے علاوہ بادشاہ کی ضرورت سمجھی گئی تھی، بادشاہ فرائض نبوت بجا نہیں لاسکتا تھا، اور نہ نبی فرائض بادشاہت، البتہ یہ چیز قابل ذکر ہے، کہ طالوت یعنی بادشاہ ساؤل کے فوری جانشین حضرت داؤدؑ اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ دونوں بادشاہت اور نبوت ہر دو حیثیتوں کے حامل بنے، ان کا کچھ تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے :-

حضرت داؤدؑ کا قرآنی تذکرہ بیحد اہم ہے، کیونکہ اس میں فرائض بادشاہت کا (جن میں عدل گستری سب سے اہم ہے) ذکر کیا گیا ہے :-

(۱) وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ الخ (اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا، پھر خدا نے اوس کو بادشاہت اور حکمت عطا کی‘‘ (قرآن مجید ۲/۵)

(ب) وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ الخ، ہم نے اسکی حکومت کو مضبوط بنا دیا، اور اس کو حکمت اور فیصلہ کرنے والی زبان عطا کی‘‘ (ایضاً ۲۳/۳)

(ج) يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ الخ (اے داؤد!

---

[۵] معارف: قرآنی اصطلاح میں علم کا مفہوم معرفت حق ہے،

بیشک ہم نے تجھکو زمین پر ایک نائب مقرر کیا ہے، اس لئے لوگون مین حق کے ساتھ فیصلے کیا کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر ورنہ وہ تجھے خدا کی راہ سے بھٹکا دین گی، اور جو کوئی خدا کی راہ سے بھٹکتے، تو اس کا انجام بُرا ہوتا ہے، کیونکہ وہ قیامت کے حساب و کتاب کو بھول جاتا ہے"! (قرآن مجید ۳۸/۲۶)

حضرت سلیمانؑ کے سلسلے مین یہ بیان کیا گیا ہے، کہ "اور سلیمان کو داؤد کا وارث بنا[۵]" اگرچہ بیٹا اپنے باپ کا جانشین ہوا تھا، لیکن اس قرآنی تذکرے کا منشا یہ بالکل نہین ہے، کہ بیٹا بطور حق کے بادشاہ بنا ہو، بلکہ یہ محض خدا کی عنایت تھی، کہ باپ کی جگہ بیٹے کو بھی حکومت ملی، اور اقتدار کا اصلی سرچشمہ خدا ہی کی مشیت ہی،

حکمرانی کے کل پرزون کی حرکت کا سب سے دلچسپ منظر قرآن مجید مین ملکۂ سبا کے تذکرہ مین ملتا ہے، چنانچہ :-

"قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ الخ"

"اُس (ملکہ) نے کہا اے سردارو مجھے میرے اس معاملہ میں مشورہ دو، میں تمھاری موجودگی کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہین کرتی، انھون نے کہا ہم بڑے طاقتور اور بہادر لوگ ہین، حکم دینا تیرا کام ہے، اس لئے تو سوچ کر فیصلہ کر، اُس (ملکہ) نے کہا جب کبھی بادشاہ کسی شہر مین داخل ہوتے ہین، تو اُسے تباہ کر دیتے ہین، اور وہان کے معززین کو ذلیل بنا دیتے ہین، اور وہ ایسا ہی کرین گے، البتہ مین اُن (حضرت سلیمان کے ملک والون) کو ایک تحفہ بھیجون گی، اور دیکھونگی کہ سفیر کیا واپس لاتے ہین، چنانچہ جب سفیر سلیمان کے پاس پہونچے، تو انھون نے فرمایا کیا تم مجھے مال کے ذریعہ سے کچھ مدد دینی

---

[۵] قرآن مجید ۲۷/۱۶

چاہتے ہو، جبکہ وہ چیز جو خدا نے مجھے دے رکھی ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے، جو اس نے تمھیں دی ہے، تمھیں تو اپنے تحفے ہی پر ناز ہے، ان کے پاس واپس جاؤ ہم بیشک ان کے پاس ایسی فوجیں لیکر آئیں گے، جن کا وہ مقابلہ نہیں کرسکیں گے، اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کرکے نکال دیں گے، اور وہ پست ہو جائیں گے"

(قرآن مجید ۳۴ تا ۲۷)

ہر زمانہ میں اس امر کی ضرورت تسلیم کیجاتی رہی ہے، کہ ملت کی رہنمائی کے لئے ایک قوانین کا مجموعہ بھی موجود ہو، قرآن مجید میں اکثر اس کا ذکر آیا ہے، کہ پیغمبروں کو کتابیں یا صحیفے دیئے گئے کتاب کے لفظی معنی حکم دینے کے بھی آتے ہیں، اور صحیفہ سے مراد دستور العمل ہوتا ہے، حضرت موسیٰ کے سلسلہ میں خاص طور سے اس کا ذکر ہوا ہے، کہ جونہی وہ فرعون کی سرزمین سے نکل کر باہر آگئے تو خدا نے حضرت موسیٰ کو احکام لکھی ہوئی تختیاں (الواح) عطا کیں، جن کی تعمیل بنی اسرائیل پر فرض قرار دیگئی،

ظالم بادشاہوں کے ظالمانہ اور نامناسب افعال کی قرآن مجید میں بارہا برائی کی گئی ہے (دیکھئے قرآن مجید ۸۱ ، ۲۳ وغیرہ) ایک چیز جو قرآنی تذکروں میں خاص طور سے قابل ذکر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ مملکت سے زیادہ حکمران مملکت کو نمایاں کیا گیا ہے، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مملکت کا ذکر ضمناً آیا ہے، اور سیاسی وحدت میں بادشاہ کا ذکر ہی سب سے نمایاں ہے، کیونکہ قدیم زمانوں میں یہی صورت حال تھی،

اسلامی مملکت | اب تک ہم نے اپنی تحقیقات کو زمانۂ قدیم کی مملکت تک محدود رکھا تھا، اس کے معنی یہ نہیں، کہ آنحضرت صلعم نے جو اسلامی مملکت قائم کی تھی، اس کے لیئے کوئی خصوصی احکام قرآن مجید میں نہیں دیئے گئے، ہمارے تذکرہ کا منشا یہ تھا کہ چونکہ انبیاء سلف کی سنت بھی مسلمانوں کے لیے

واجب التعمیل قرار دی گئی ہے، اس لئے ان کے زمانہ کے احکام کا تذکرہ نہ صرف اسلامی مملکتی تصور کے لئے ایک پس منظر کا کام دیتا ہے بلکہ واقعتہ وہ اسلامی قانون سیاسی وانتظامی کا جز بنجاتے ہین وہ احکام جو قرآن مجید مین نبی کریم صلعم کو خاص طور پر دیئے گئے ہین، ان کا موضوع وار تذکرہ کیا جاتا ہے،

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے ربانی ماخذ کو کہین بھی نظر انداز نہین کیا گیا ہے، اور قیامت کے حساب کتاب پر بار بار زور دیا گیا ہے تاکہ بادشاہ مین کسی دنیاوی ذمہ داری کے نہ ہونے کے باعث استبداد نہ پیدا ہو جائے، اگرچہ قرآن مجید مین علاقے یا زمین کا ذکر بعض وقت حکمرانی کے ساتھ آیا ہے لیکن وہ بڑی حد تک ضمنی ہے بنیادی نہین مثلاً:

(ا) قلِ اللھم مٰلک الملک تو تی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء الخ

کہ اے خدا ملک کے مالک! تو ہی جس کو چاہتا ہے، ملک دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے ملک واپس لے لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے تو عزت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے تو ہی ذلیل کرتا ہے، بھلائی تیرے ہی ہاتھ مین ہے، تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے،

(قرآن مجید ۳/۲۶)

(ب) ھُوَ الذی جَعَلکم خلٰئف الارض وَرفع بَعضکم فوق بَعض الخ وہی ہے جس نے تم کو زمین مین نائب مقرر کیا، اور تم مین سے چند کو دوسرون پر رتبے مین فوقیت دی تاکہ تمھین اس چیز کے ذریعہ سے آزمائے، جو اس نے تمھین دی ہے،

(ایضاً ۶/۱۶۶)

(ج) وَلقد مکنّٰکم فی الارضِ وجعلنا لکم فیھا معایش قلیلاً ما تشکرون الآیۃ

ہم نے تم کو زمین مین اقتدار عطا کیا اور تمھارے لئے وہان روزی مہیا کی (ایضاً ۷/۱۰)

جامعۂ روما کے پروفیسر نالینو کو یہ تسلیم کرنے مین کوئی ہچکچاہٹ نہین معلوم ہوتی کہ اسلامی حکمران کی تخت نشینی کے وقت جو بیعت لیجاتی ہے، وہ ایک طرح سے معاہدۂ معاشری کہلا سکتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

"کسی شخص کو خلافت کا رتبہ عطا کرنا فقہا کے نزدیک ایک معاہدہ ہوتا ہے، جس کا ایک فریق وہ شخص ہوتا ہے، جو اس عہدے کو قبول کرے، اور دوسرا فریق جماعت اسلامی ہوتی ہے، یہ معاہدہ اس وقت تک مکمل نہین ہوتا، جب تک کہ بیعت یعنی اظہار وفاداری امت کے اصحاب حل وعقد کی طرف سے نہ عمل مین آجائے"[۱]

لفظ بیعت کے معنی خود ایک معاہدہ کے ہوتے ہیں، اور اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وفاداری اور اطاعت کی ایک طرف سے پیشکش کی جائے اور دوسرے فریق کی طرف سے اُسے قبول کیا جائے، (دیکھئے قرآن مجید ۴۸/۱۰، ۶۰/۱۲) دوسرے الفاظ مین حکمران کا اقتدار چاہے مشیت عامہ سے پیدا نہ ہوتا ہو لیکن اسی پر مبنی ہوتا اور اسی کا محتاج ضرور رہتا ہے،

اگرچہ رسول کریم صلعم کے متعلق مسلمانون مین یہ چیز جزء عقیدہ ہے، کہ پیغمبر معصوم ہوتے ہین، اور اگرچہ خلفا پیغمبرون کے سیاسی جانشین سمجھے گئے لیکن معصومیت کا یہ اعزاز ان کے لئے کبھی تسلیم نہین کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر قومون مین "بادشاہ کوئی غلطی نہین کر سکتا" کا جو سیاسی نظریہ یا کلیہ پایا جاتا ہے، وہ مسلمانون مین کبھی جگہ نہ پاسکا، اس کے برخلاف مسلمانون کو اسی پر ناز ہے، کہ نہ صرف عام حکمران بلکہ خود پیغمبر صلعم بھی حقوق العباد کے معاملے میں انہی عام قوانین کے پابند ہین جن کے عام مسلمان، اور یہ کہ رسول اللہ صلعم نے کبھی کبھی خود اپنی ذات کے خلاف مقدمات سنے، اور منصفانہ

---

[۱] فرانسیسی رسالہ موسومہ "خلافت کی عام نوعیت، اور سلاطین عثمانیہ کے دعوائے خلافت پر تبصرہ" مطبوعہ روما ص ۱۱،

فیصلہ کیا[۱]۔ پیغمبروں کی معصومیت کا منشا، اسلامی علم کلام میں صرف یہ لیا جاتا ہے کہ وحی کی تبلیغ اور خدا کے احکام پہنچانے میں ان سے کوئی غلطی یا سہو سرزد نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ دیگر معاملات میں پیغمبر کی حیثیت بھی ایک انسان ہی کی ہوتی ہے، اور احادیث میں متعدد مرتبہ بیان ہوا ہے، کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ "دنیاوی معاملات میں میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں، سیاسی حیثیت سے رسول کریم صلعم جماعت اسلامی کے ایک فرد تھے، اور ان قوانین کے جن کو آپ نافذ کرتے تھے، خود بھی پوری طرح پابند تھے،

غرض جملہ مخلوقات کی طرح کرۂ ارض اور انسانی بستی کا بھی اصل مالک اور بادشاہ خدا ہی کی ذات ہے، اور وہی صلاحیتوں کو دیکھکر کسی انسان کو اپنی نیابت سے سرفراز کرتا ہے، اور پھر دیکھتا ہے، کہ وہ عمل کیسا کرتا ہے، (انّ الارض یرثها عبادی الصالحون، انی جاعلٌ فی الارض خلیفة، لینظر کیف تعملون، انّ الارض لله یورثها من یشاء من عباده وغیرہ) خدا کا خلیفہ برحق تو نبی ہوتا ہے جس کا براہ راست وحی سے تقرر ہوتا ہے، اور وحی ہی سے اسکی رہنمائی ہوتی ہے، اس کے باوجود بھی سرور کائنات صلعم اپنی اطاعت اور پیروی کی بیعت لیتے رہے، نبی کے دنیا کو پردہ فرمانے پر احکام شریعت سے ناواقفوں کو واقف کرانے کی حد تک حدیث شریف میں ہے کہ العلماء ورثة الانبیاء لیکن سلطنت رانی اور سیاست مدن کے لئے ماوردی، ابن خلدون وغیرہ کے الفاظ میں "اصحاب حل وعقد" کسی کا انتخاب کرتے ہیں، اور یہ انتخاب مصداق حدیث شریف ید الله علی الجماعة منشاء ربانی کا اظہار اور باعث خیر و برکت ہوتا ہے، اور یہی اصحاب حل وعقد، انتخاب اور بیعت کے بعد بھی حکمران کی حکمرانی میں مرجع کا کام دیتے ہیں، اور ضرورت ہو

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص ۴۴۴، کامل ابن الاثیر ج ۲ ص ۱۴۱ نیز سیرۃ شامی میں آٹھ دس ایسے واقعے درج ہیں ۵۲ معارف :- سنداً یہ حدیث ثابت نہیں،

تو اُسے معزول بھی کر سکتے ہیں۔ حکمران کے حقِ اجتہاد کے حدود، مصالحِ ملکی اور نظم و نسق میں شوریٰ کا موقف، اصحابِ حل و عقد کی دستوری حیثیت، وغیرہ پر تفصیل سے بحث یہاں ممکن نہ ہوگی البتہ اس سوال کا جواب شاید ضروری ہے، کہ اصل دنیاوی اقتدار کے استعمال کا حق کس کو حاصل ہوتا ہے، اس کا جواب حضرت امام اعظمؒ کے الفاظ میں :-

ان نواحی دار الاسلام تحت	اسلامی سرزمین کے جملہ حصے اسلامی
ید امام المسلمین وید کا ید	بادشاہ کے اقتدار میں ہوتے ہیں، اور
جماعة المسلمین۔	اس کا اقتدار مسلمانوں کی جماعت ہی
(مبسوط سرخسی ج ۱۰ صفحہ ۹۳)	کا اقتدار ہوتا ہے،

امام ابو حنیفہؒ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی نے مزید وضاحت سے کہا ہے، کہ کسی ملک کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ وہاں غلبہ اور محافظ قوت کس قوم کو حاصل ہے، تعداد سے بحث نہیں "لھما الدار انما تنسب إلی اھلھا لثبوت ید ھم و ھو لقاھرة علیھا و قیام و لا یتھم الحافظة فیھا (محیط رضی الدین سرخسی مخطوطہ استانبول ورق نمبر ۵۰، ب) اور حنفی علماء متفق ہیں، کہ اسلامی مملکت کا انتظام امام پوری امتِ مسلمہ کے نائب کے طور پر کرتا ہے، چنانچہ شارح شیبانیؒ کے الفاظ میں الامام بمنزلة جماعة من المسلمین فی استیفاء ھذا الحق" (مبسوط سرخسی ج ۹ صفحہ ۲۰۴) یعنی اس حق کے نفاذ میں امام کی حیثیت امتِ مسلمہ کے قائمقام کی ہوتی ہے،

بہرحال یہ اسلامی تصورِ اقتدارِ اعلیٰ ہے، کہ مقتدرِ اعلیٰ خداوند خلاق کی ذاتِ کبریائی ہے اور حکمرانی شریعت کو حاصل ہوتی ہے، اور "خلیفة اللہ فی الارض" یا شریعت کے نفاذ کے افسر کا انتخاب

---

۵۱ بدائع الصنائع للکاسانی ج ۷، صفحہ ۱۶۔

بھی خدا ہی کرتا ہے، اور اس بارے مین خدا کی مشیت کا اظہار "یَدُ اللهِ علی الجماعۃ" اور "لا یجتمع اُمتی علی الضلالۃ" وغیرہ احادیث شریفہ کے بصداق اور عہد خلافت راشدہ کے نظائر کے مطابق اصحاب حل وعقد کی بعیت کے ذریعہ سے ہوتا ہے،

دین و دنیا کا ملاپ | قدیم زمانون مین جب انسانی تمدن نے زیادہ ترقی نہ کی تھی، اور تقسیم کار کی اتنی زیادہ ضرورت پیش نہ آئی تھی، کسی ملک مین مرکزی حکومت کے اختیارات یا تو عدل گستری کے متعلق ہوتے تھے، (جس مین دشمن سے جنگ بھی شامل ہے، اور فقہ کی کتابون مین باب الجہاد کا ذکر "حدود" یعنی سزاؤن کے سلسلہ ہی مین ملتاہے) یا قومی معبود کی پرستش وعبادت کے متعلق دیگر سلطنتی نظم ونسق کے مسائل اٹھتے ہی نہ تھے، بلکہ وہ عوام کے انفرادی معاملات سمجھے جاتے تھے، اور عبادت ہی نہین عدل گستری اور جنگ بھی مذہبی مراسم کی تابع تھی، تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ کشوری اور مذہبی فرائض مین دوری پیدا ہوتی جاتی تھی، چنانچہ رومیون نے یُس (دہر یا دنیاوی قانون) کو ہمہ گیر فاس (مذہبی قانون) سے ایک الگ چیز کے طور پر ایجاد کیا یہودیون نے "قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل الله (قرآن ۲۴۶/۲)" اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر جس کے ساتھ ہم خدا کی راہ مین جنگ کر سکین،

اور نبوت و بادشاہت یا مذہب و سیاست کو جدا کر دیا حضرت عیسیٰؑ کی طرف بھی یہ قول انجیل مین منسوب ملتا ہے، کہ "قیصر کی چیزین قیصر کو دیدو، اور کلیسا کی کلیسا کو" بدھ متیون اور ہندؤن کے ہان بھی ترک دنیا ہی انسانیت کا کمال قرار پایا،

غرض قدیم اہل مذہب نے دنیائے ناپائدار کو دل لگانے کے قابل چیز نہ سمجھا لیکن اس مین دنیاوی مسائل نظر انداز ہو کر خامی پیدا ہو گئی، ایک تو گنتی کے چند فرشتہ صفت انسانون کے سوا باقی جو لاکھون کروڑون عامۃ الناس تھے، ان کے معاملات مادیت پسند ہو گئے، اور دوسرے

سیاست کی اخلاقی بنیاد نہ رہی، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ سابقہ تمام مذاہب الکائیون یا دہائیون مین ختم ہوجانے والے فرشتہ صفت انسانون کے لئے ہوتے تھے، اور اسلام ناز کرسکتا ہے، کہ وہ امتیون اور اوسط درجہ کے انسانون کے لئے ایک قابل عمل دستور لایا، یہ ظاہر ہے، کہ دنیا مین ایسون ہی کی بہت بڑی اکثریت ہوتی ہے، انسان نما فرشتے اور انسان نما شیطان دونون کی تعداد ہمیشہ بہت محدود ہی ہوتی ہے،

مذہب اور سیاست دو بالکل الگ چیزین ہین، مذہب خدا اور بندے کے تعلقات کا نام ہے، اور سیاست بندے اور بندے کے معاملات کا، ان دونون کو ایک کہنے والا گویا ہاتھ اور پاؤن کو ایک کہتا ہے، لیکن جس طرح ایک زندہ اور تندرست انسان مین ہاتھ اور پاؤن دونون ہی ایک مشترکہ اور مرکزی قوت مثلاً عقل یا ارادے کے تابع ہوتے ہین، بالکل اسی طرح دین اسلام نے مذہب اور سیاست کو ایک مشترکہ دستور العمل کے تابع کر دیا، جو قرآن یا ربانی کلام تھا، اور دونون ہی کی رہنمائی کے لئے احکام کا ماخذ ایک ہی قرار دیکر سیاست مین اخلاقی اساس اور اخلاق مین حقیقت پسندی باقی رکھی، کوئی شخص ہاتھون کے بل تھوڑی دور ضرور چل سکتا ہے، اور پاؤن سے بُرا بھلا کچھ لکھ بھی ضرور سکتا ہے، اسی طرح عبادت کو سیاست اور سیاست کو عبادت بنا کر انسان چند روز گزار ضرور سکتا ہے لیکن یہ غیر فطری عمل نہ تو سہولت بخش ہوگا اور نہ مفید،

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ایک بزرگ سیرت نگار نبوت کے الفاظ مین "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا مین دین اور دنیا دونون کی برکتین لیکر آئے، آپ نے صرف آسمانی بادشاہت کی خوشخبری نہیں سنائی، بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی تاکہ دنیا مین خدا کی بندگی بے خوف و خطر کیجا سکے، اور خدا کی بادشاہی دنیا مین قائم ہو"۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ الخ

"خدا نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، یہ وعدہ کیا، کہ وہ ان کو زمین مین حاکم بنائیگا، (جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا، جو ان سے پہلے تھے) اور اُن کے لئے ان کے اوس دین کو جو اُس نے اُن کے واسطے پسند کیا ہے، جما دیگا"۔ (قران ۲۴/۵۵)

قرآن نے مطمح اور سب سے اچھی دعا انسانون کے لئے یہ بتائی ہے :-

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیا حَسَنَۃً وَّفِی الاٰخرۃ حَسَنَۃً وَّقِنا عذاب النار اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی دے، اور آخرت مین بھلائی دے، اور ہم کو آگ کے عذاب سے (دوزخ) سے بچا۔ (قرآن ۲/۲۰۱)

اور ایک جگہ فرمایا :

"لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا فِی هٰذِهِ الدُّنیا حَسَنَۃٌ وَ لَدارُ الاٰخرۃِ خیرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْن اور جنھون نے نیک کام کئے ان کے لئے اس دنیا مین بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے، اور پرہیزگارون کا گھر کیسا اچھا ہے! (قرآن ۱۶/۳۰)

....جن لوگون نے خدا کی راہ مین اپنی جانون کی بازی لگائی ان کو بشارت ہے :-

فاٰتٰھُمُ اللّٰہُ ثَوابَ الدُّنیا وَحُسْنَ ثَوابِ الاٰخِرۃِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ المُحْسِنِیْن تو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا، اور اللہ نیکی کرنیوالون کو چاہتا ہے۔ (قرآن ۳/۱۴۸)

دنیا کا ثواب فتح و نصرت، ناموری و عزت، مال و دولت اور حکومت و سلطنت ہے۔

جنھون نے خدا کی راہ مین اپنا گھر بار چھوڑا، اور خوشی خوشی ہر طرح کی تکلیف جھیلی، ان کو دونون جہان کی نعمتین بخشین

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوا فِی اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا الخ اور جنھون نے ہمارے لئے (لئے) ستائے

جانے کے بعد گھر چھوڑا ہم ان کو دنیا مین اچھا ٹھکانا دین گے، اور بیشک آخرت کا اجر سب سے بڑا ہے، (قرآن ۱۶)

....(اور اولیا، و اتقیا یعنی فرشتہ صفت مسلمانون کو ترکِ دنیا کی ہدایت نہ کی، بلکہ دنیا داری دین داری دونون کے ملاپ کا حکم دیا) :-

الذین ان مکنّا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ الخ وہ ایسے لوگ ہین، کہ اگر ہم ان کو زمین مین جا دین تو وہ نماز کھڑی کرین، اور زکوٰۃ دین، اور اچھے کامون کو کہیں اور بُرے کامون سے روکین، اور ہر کام کا انجام خدا کے ہاتھ مین ہے،

(قران ۲۲)

....ان آیتون سے یہ اشارہ بھی نکلا، کہ مسلمانون کے ہاتھون مین خدائے قانون کے اجراء کی طاقت ہونی چاہیئے" اور یہ اشارہ بھی کہ دین و دنیا کا امتزاج یا ملاپ ہی انسان کو انسان بناتا ہے اور "احسن تقویم" کا مظاہرہ ہو سکتا ہے، ورنہ وہ یا تو فرشتہ ہو جائے گا، یا شیطان اور ان دونون اصناف سے جدا ایک خاص مخلوق یعنی انسان کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائیگا،

ایسی آیتین قرآن مجید مین بکثرت ملتی ہین جن میں یہ بتایا گیا ہے، کہ خدا نے اپنی ہر مخلوق انسان کی خدمت یا استفادے کے لئے پیدا کی ہے، اور انسان اپنی خالق کی عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے مگر اس کی تفصیل یہان طول بحث سمجھی جائیگی،

بیعت حکمران کی اطاعت کو جیسی کچھ اہمیت حاصل ہے، ظاہر ہے، قرآن مجید مین بھی اس پہ کچھ کم زور نہین دیا گیا ہے، مثلاً :-

(۱) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم، اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، اور ان لوگون کی جو تم مین سے افسرانِ حکومت ہون،

اگر تم مین کسی معاملہ مین آپس مین جھگڑا ہو تو اُسے اللہ اور رسول سے رجوع کرو، اگر تمھین خدا

اور یوم آخرت پر سچا ایمان ہو، یہی بہتر اور مآل کار اچھا طریقہ ہے، (قرآن مجید ۵۹)

(ب) اذا جاء ھم امر من الامن والخوف اذاعوا بہ الخ اگر امن یا خوف کی

ان کو کوئی خبر ملتی ہے، تو اسے مشہور کر دیتے ہین، بہتر ہوتا کہ وہ اسکی اطلاع رسول کو اور

اپنے افسرون کو دیتے تو سمجھدار لوگ اوس کو سمجھ جاتے، (قرآن مجید ۸۳)

یہ تو افسرون کی اطاعت کا ذکر تھا جناب رسالت مآب صلعم کی شخصی اطاعت پر تو اس سے بھی زیادہ مواقع پر زور دیا گیا ہے کہیں صرف حکم ہے، تو کہیں اوس کے فوائد بتا کر ترغیب دیگئی ہے، رسول کی اطاعت اور پیروی کے ان احکام کا یہ ناگزیر نتیجہ تھا، کہ بعد کے زمانہ مین آپکے قول اور فعل کا تذکرہ محفوظا کرنے کی اتنی عظیم الشان کوششین اہل علم کی جانب سے عمل مین لائی گئین ایسی بعض آیات حسب ذیل ہین :-

(۲) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا . . . .

. . . . ، جو کچھ رسول تمھیں دے اُسے لے لو، اور جس سے

منع کریں اوس سے رُک جاؤ، (قرآن مجید ۵۹)

(ب) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ بیشک اللہ کے

رسول مین تمھارے لئے ایک اسوۂ حسنہ پایا جاتا ہے، (ایضاً ۲۱)

(ج) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون الخ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور جب وہ کچھ کہے تو سنکر

روگردانی نہ کرو . . . . اور اللہ اور اس کے رسول کی

اطاعت کرو، اور آپس مین جھگڑو نہین تاکہ تم کمزور نہ پڑ جاؤ، اور تمھاری ہوا نہ

اکھڑ جائے[۵۱]، اس کے برخلاف صبر سے کام لو، اللہ صبر سے کام لینے والوں کیساتھ ہوتا ہے

(قرآن مجید ۸ ع ۶)

(د) وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ، وہ (یعنی رسول خدا) اپنی خواہش سے کچھ نہین کہتا، بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے، (قرآن مجید ۵۳ ع ۱)

آرنلڈ نے اپنی کتاب خلافت مین بالکل ٹھیک رائے ظاہر کی ہے، کہ اس طرح رعیت کے فریضۂ اطاعت پر زور دیا گیا، مگر اس کے ساتھ ہی حکمران کے لازمی فرائض کا اتنا ذکر نہین ہوا، اس سے اسلامی حکمران جابر اور استبداد پسند نہین بن گیا، کیونکہ حشر و نشر اور حساب وکتاب کا عقیدہ نیز حکمران کا بھی قانونِ اسلامی کے ماتحت ہونا اس پر گرفت رکھنے کیلئے کافی ثابت ہوئے، اس کے یہ معنی نہیں، کہ حکمران کے فرائض پر قرآن مجید نے زور نہ دیا ہو

(۱) فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ الخ (اس کیلئے بلا اور (اے محمد) استقامت سے رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر، بلکہ کہہ: مین ایمان لاتا ہون ہر اُس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ تم مین انصاف کرتا رہون، اللہ ہمارا اور تمہارا آقا ہے ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمھارے کام، ہم مین اور تم مین کوئی حجت نہیں، اللہ ہمین یکجا کرے گا، اور ہمین اسی کی طرف جانا ہے، (قرآن مجید ۴۲ ع ۲)

(ب) فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ تب ہم یقیناً ان لوگون سے دریافت کرین گے، جن کے پاس ہمارا پیغمبر بھیجا گیا تھا، اور ہم پیغمبرون

---

[۵۱] ایک بحری محاورہ ہے، بادبانون سے ہوا نکل جائے تو ملاح بے بس ہو جاتا ہے، اس محاورے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ قدیم عربون کو سمندر سے کتنا لگاؤ تھا،

سے بھی پوچھیں گے،" (قرآن مجید)

متعدد آیتوں میں اس پر زور دیا گیا ہے، کہ اجتماعی اور حکومتی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دی جائے، مثلاً قرآن مجید (۲۸، ۲۷ و ۹/۲۴)

یاایھا الذین آمنوا لاتخونوا اللہ والرسول الخ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو، اور نہ جان بوجھ کر اپنی باہمی امانتوں میں خیانت کرو،

واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنۃ الخ اور یہ جان لو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایک آزمایش ہے، اور خدا ہی کے پاس اجر عظیم پایا جاتا ہے،

مذکورۂ بالا آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ ذاتی مفاد کے لئے یا بیوی بچوں کی خاطر بھی ہمیں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے، جو نامناسب ہو، اور عالم آخرت کے حساب وکتاب کیلئے ہمیں اپنے ہر فعل میں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے،

ضمناً اس چیز کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے، کہ "حب ملی" اسلام میں ایک نیم مذہبی نیم سیاسی وحدت کے تصور پر مبنی ہے، جغرافی یا لسانی یا نسلی وحدت سے اُسے کوئی سروکار نہیں، چنانچہ :-

(۱) یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا الخ (اے انسانو ہم نے تم کو مرد اور عورتیں بنایا، اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا، تاکہ تم پہچانے جاسکو، لیکن اصل میں تم میں سے سب سے زیادہ بزرگ خدا کے پاس وہی ہوتا ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، علم اور خبر خدا ہی کو حاصل ہوتی ہے"

(قرآن مجید ۴۹/۱۳)

(ب) کل مومن اخوۃ ایمان والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں (ایضاً ۴۹/۱۰)

(ج) واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم الخ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ نہ کرو، اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس مین دشمن تھے، اور (ایمان لانے کے باعث) اس نے تمھارے دلون مین الفت ڈالدی، اور اس کی عنایت سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اور اسی نے تم کو بچایا اس طرح اللہ اپنی آیتین تم کو بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پا سکو، اور تم مین سے ایک ایسی قوم پیدا ہو جو بھلائی کی طرف بلائے، اچھی بات کا حکم دے، اور بُری بات سے روکے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہونگے، (ایضاً ۳/۱۰۲)

یہ بیان کرنے کی شاید ہی کچھ ضرورت ہو کہ ایمان اور عمل صالح کی فوقیت کے سوا اسلام حسب و نسب کی کسی برتری کو قطعاً تسلیم نہین کرتا، انبیا کی اولاد تک عمل غیر صالح [۵۱] کے باعث عذاب مین گرفتار ہوئی،

عدل گستری یہ حکمران کا اولین فریضہ ہے کہ اُسے ناطرفدار ہونا چاہئے، اور انصاف کے ساتھ حسب موقع و ضرورت رحم بھی کرنا چاہئے، (دیکھیے قرآن مجید ۹/۱۶، ۸۰، ۵/۱۳۵، ۴/۵، ۱۶/۹۴)

غیر مسلم ذمی رعایا کو عدالتی خود مختاری دینے کا قرآن مجید مین حکم ہے، جہان ان کے ساتھ ان کے شخصی قوانین کے مطابق فیصلے انجام پائین گے، اگر غیر مسلم رعایا اسلامی عدالت مین اپنی مرضی سے مقدمہ یا مرافعہ پیش کرے، تو اس کے ساتھ بھی انصاف کیا جانا چاہئے (دیکھئے قرآن مجید ۵/۴۴ تا ۵۰) اس بارے میں مزید تفصیل ایک علٰحدہ مضمون کی متقاضی ہے [۵۲] البتہ اتنا اور اشارہ

---

[۵۱] قرآن مجید ۱۱/۴۶ [۵۲] عدل گستری ابتدائے اسلام میں کے عنوان سے ایک مضمون مجلہ عثمانیہ حیدرآباد مارچ ۱۹۳۵ء میں چھپا ہے جس کے حوالے فرانسیسی مولفین نے بھی دئیے ہین

کیا جاسکتا ہے، کہ قیامت کی جزاے اعمال، حساب کتاب، چشم دید گواہ، تحریری شہادت، کراماً کاتبین کی ڈائری وغیرہ کی جو تفصیل قرآن مین آئی ہے، وہ عہدِ نبوی کے مروجہ امور ہون گے جن کے ذریعہ سے عالمِ آخرت کا خاکہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے،

شورائیت | قرآن مجید مین حکم ہے کہ حکمران اپنے فیصلے مشورہ لیکر کیا کرے، چنانچہ :-

(۱) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ الخ اور اُن سے معاملات مین مشورہ کر پھر جب تو عزم کرلے تو خدا پر توکل کر، بیشک خدا توکل کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

(قرآن مجید ۳/۱۵۹)

(ب) فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى الخ جو کچھ تمھین دیا گیا وہ دنیا وی زندگی کا ایک حقیر متع ہے، اور بس، ورنہ خدا کے پاس جو چیز ہے، وہ بہتر اور زیادہ پائدار ہے، یہ ان لوگون کو ملے گی، جو اپنے رب پر ایمان لاتے اور اس پر توکل کرتے ہین، اور جن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہین، اور جو اس چیز کو خرچ (خیرات) کرتے ہین، جو ہم نے اُن کو عطا کی

(ایضاً ۴۲/۳۶ تا ۳۸)

(ج) طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ (مشیرون وغیرہ کے لئے فیصلے کے بعد) اطاعت اور (فیصلے کے وقت) قول معروف ہونا چاہیے اور پھر جب کسی کام کا عزم کرلیا جائے، تو اگر وہ لوگ خدا سے اپنے کئے ہوے وعدے کو پورا کرین تو انہی کے لئے اچھا ہے،

(ایضاً ۴۷/۲۱)

غرض اگر مشورہ لینے کی ایک طرف پابندی عائد کی گئی ہے، تو دوسری طرف مشورہ کے بعد جو بھی چیز قرار پا جائے اسکی تعمیل کرنا بلا لحاظ اس کے کہ وہ اپنی راے اور مشورے کے مطابق تھی

یا مخالف ضروری قرار دیا گیا ہے، ساتھ ہی اس کا بھی ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ آخری ذمہ داری چونکہ حکمران پر ہوتی ہے، اس لئے اس کو مشورے کے متعلق حقِ تنسیخ دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید ۳/۱۵۹ مین بیان کیا گیا ہے،

قانون سازی — قرآن مجید نے نبی کریم صلعم کے ہر قول و فعل کو اُسوۂ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے (دیکھئے قرآن مجید ۴/۵۹، ۵۳/۳ تا ۴ وغیرہ) اس حکم کے باعث اسلامی فقہا یا قانون سازون کا کام آسان ہو گیا، کیونکہ ایک طرف تو جن چیزون کا ذکر قرآن مجید مین نہ تھا، ان کے لئے حدیث نبوی مین کافی مواد مل گیا، اور دوسری طرف یہ بھی دیکھا گیا، کہ خود رسول کریم صلعم نے نہ صرف یہ کہ قیاس اور استنباط سے کام لیا، بلکہ اسکی صراحت کے ساتھ اجازت بھی دی تھی، جیسا کہ معاذ بن جبل رض گورنر یمن کے تقرر نامے وغیرہ میں مذکور ہے، اگرچہ قرآن اور حدیث کی قیاس کے ذریعہ سے تنسیخ نہین ہو سکتی، لیکن قیاس اور تعبیر کی اجازت سے علماء و فقہاء کو انفرادی راے سے کام لینے کی خاصی گنجایش مل گئی حتیٰ کہ یہان تک تسلیم کیا گیا، کہ مجتہد سے غلطی ہونے کے امکان کے باوجود اسکو اس کام سے نہیں روکا جا سکتا، چنانچہ ایک حدیث مین مذکور ہے، کہ "اجتہاد کرنے والا خطا بھی کر سکتا ہے، صواب کو بھی پہنچ سکتا ہے، اور صحیح فیصلہ کی صورت مین اسے دو ثواب ملین گے اور خطا کی صورت مین ایک ثواب" اس طرح اس کا بھی موقع نکل آیا، کہ ایک مجتہد کے بعد دوسرا مجتہد بھی اجتہاد کرے، اور کسی بہتر نتیجہ پر پہنچنے کے باعث سابقہ مجتہد کا فیصلہ منسوخ قرار پائے، اور خود اجماع کے متعلق بھی فقہاء نے ایسی ہی سہولت تسلیم کی ہے، جب تک ان اجازتون سے فائدہ اٹھایا جاتا رہا، اسلامی قانون میں زمانہ کا ساتھ دینے کی گنجایش رہی، اور وہ ترقی کرتا رہا، اور جب سے قدیم فقہاء کے فیصلوں کے خلاف اجتہاد کا دروازہ چند لوگون نے بند کر دیا، تو اس سے قانون اسلامی کو بیحد نقصان پہنچا، لیکن یہ مسئلہ یہان دائرۂ بحث سے خارج ہے،

جہانبانی کے قواعد | قرآن مجید مین اندرونی اور بیرونی سیاست کے قواعد خاصی تفصیل سے ملتے ہین جن سے حالت امن و صلح و غیر جانبداری مین حکمران کی رہنمائی مقصود تھی، رسول کریم صلعم نے خود ایک مملکت قائم کی، اور اس ملک مین جہان ہمیشہ سے نراج سا چلا آرہا تھا، ایک مرکزیت اور ایک مملکت قائم کی، اور عربون کو خانہ جنگیون کے ذریعہ اپنی توانائیون کو ضائع کرنے سے روک کر انھیں اپنے زمانہ مین دنیا کی سب سے بڑی فاتح اور نوآباد کار قوم بنا دیا، اور ان کے ذہنون سے احساس کمتری کو کلی طور پر دور کر کے ان مین وہ صحت ور جذبہ بھر دیا، جسے احساس برتری یا احساس خودشناسی کہا جا سکتا ہے، اور جو کسی ترقی پذیر قوم کے لئے اس قدر ضروری ہوتا ہے، چنانچہ:-

(ا) كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر، تم وہ بہترین قوم ہو، جو انسانون کے لئے پیدا کی گئی، تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو، اور بری بات سے روکتے ہو، (قرآن مجید ۳/۱۱۰ نیز ۳/۱۹ و ۸۵)

(ب) اذن للذين يقاتلون وانهم ظلموا الخ ان لوگون کو جن سے لڑا جا رہا تھا (برابر کا جواب دینے کی) اجازت دیدی گئی، کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا تھا ...... یہ وہ لوگ ہین کہ اگر ہم ان کو زمین مین اقتدار عطا کرین، تو وہ خدا کی عبادت کو قائم کر دین، اور زکوٰۃ دین، اچھی بات کا حکم دین، اور بری بات سے روک دین،

(ایضا ۲۲/۳۹ تا ۴۱)

(ج) قاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله، ان سے اس وقت تک لڑتے رہو، تاآنکہ فتنہ باقی نہ رہے، اور خدا ہی کا دین چھا جائے،

(ایضا ۲/۱۹۳)

(د) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا الخ اے محمد ہم نے تجھے صرف اس لئے بھیجا ہے، کہ تمام لوگون کے لئے بشیر و نذیر بنے، گو اکثر لوگ اسے نہین جانتے، (قرآن مجید ۳۴/۲۸)

غالبًا یہی وہ ایقان یا احساس فرض تھا، جس نے انھیں دنیا مین حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے اپنی ہر چیز کو قربان کر دینے کے لئے آمادہ کر دیا، جہاد کا جو حکم مذکورۂ بالا اور دیگر آیاتِ قرآنی مین ملتا ہے، اس کا منشا، یہ بالکل نہ تھا، کہ دوسرون کی جائداد لوٹی جائے، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ تھا، کہ وہ ایک مقدس ترین اور بڑا ایثار طلب فریضہ تھا، کہ اپنی جان جوکھون مین ڈالکر دوسرون کی رہنمائی کرین، اور ان کو سیدھا راستہ دکھائین، یہ بار جو محض خدا کی راہ مین تھا اوسے اُنھون نے ہنسی خوشی برداشت کیا،

قانون بین الممالک کے خاصے تفصیلی احکام ہمین قرآن مجید مین ملتے ہین، جن پر مختلف مقالے بھی لکھے جاتے رہے ہین[1]، یہان ان کی تفصیل کی گنجایش نہین، صرف اس قدر اشارہ کافی ہوگا۔ قرآن مجید مین انتقامی جنگ (۲/۱۹۰ تا ۱۹۵) معاہدات کی تعمیل (۹/۴) مدافعت (۴/۷۵، ۲۲/۳۹ تا ۴۱)، ہمدردانہ جنگ (۴/۷۵) فریق ثانی کی طرف سے معاہدہ شکنی کا خوف (۸/۵۸) مذہبی رواداری (۲/۲۵۶، ۶/۱۰۹، ۱۰/۱۰۰) غیر مسلم رعایا سے برتاؤ (۹/۲۹) قیدیون سے برتاو (۴۷/۴، ۷۶/۸ تا ۹)، پناہ جویون کو امن دینا (۹/۶) مفتوحہ اراضی کا انتظام (۵۹/۷) صلح کرنا (۸/۶۱) غیر جانبداری (۴/۸۸ تا ۹۱، ۵۹/۱۱ تا ۱۲، ۶۰/۸ تا ۹) وغیرہ وغیرہ امور کا اصولی ذکر ملتا ہے،

قومی دولت | کی لا یکون دولۃً بین الاغنیاء تاکہ وہ تم مین سے صرف مالدارون

---

[1] چنانچہ اسلامک کلچر حیدرآباد مین جنوری ۱۹۴۱ء و مابعد کے پرچون مین کئی سو صفحون کا ایک طویل مقالہ چھپا ہے، اسکی کتابیات مین سابقہ اہل علم کی کوششون کی بھی تفصیل ہے،

مین گردش نہ کرتی رہے"۔ (قرآن مجید ۵۹)

یہ اسلامی اصولِ دولتِ عامہ کا خلاصہ ہے جو قرآن مجید نے پیش کیا ہے، اسلامی معاشیات کے پیشِ نظر یہ چیز رہی ہے، کہ دولت کی ملک کے ہر طبقہ مین تقسیم عمل مین آئے، اور وہ یکجا اکٹھی نہ ہو بلکہ گردش کرتی رہے، معیار سے زائد دولت پر لازمی محصول (یعنی زکوٰۃ) وصیت کرنے کے اختیارات کی تحدید اور کسی شخص کی جائداد سے اسکی وفات پر اس کے قریبی رشتہ دارون کو لازمی طور سے حصہ ملنا، نیز غربا اور محتاجون کے لئے حکومت کی آمدنی مین لازمی طور سے حصہ مقرر کیا جانا — یہ اور اس کے مماثل قاعدے قرآن مجید نے مقرر کئے ہین، جن سے تقسیم و گردشِ دولت کا مقصد پورا ہوتا ہے اور ساتھ ہی انفرادی ملکیت پر کوئی قید عائد نہ ہونے سے ہر شخص کو اپنے قوائے فطری سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی ترغیب ہوتی رہتی ہے، اور سود کی ممانعت اور قرضہ ہائے حسنہ کا انتظام جو قرآن مجید نے کیا ہے، وہ اسلامی قواعدِ معاشیات کو ایک مکمل نظام کی حیثیت دیدیتے ہین جو نہ تو سرمایہ داری ہے اور نہ اشتراکیت، بلکہ اس مین ان دونون کی خوبیان ہین، اور ساتھ ہی دونون کی برائیون سے اس نظام کو محفوظ رکھنے کا انتظام کر دیا گیا ہے،

اخلاقِ عامہ میرے نزدیک مذہب اور سیاست دونون ایک دوسرے سے ممتاز عمل ہین، ان کو ایک سمجھنا غلطی ہے، مذہب انسان اور خالق کے تعلق کا نام ہے، اور سیاست بندون کے باہمی تعلقات کے لئے برسرکار ہوتی ہے، لیکن اگر ان دونون مین کوئی رابطہ اور حلقۂ اتصال نہ پیدا کیا جائے تو انسانیت کو لامحدود نقصان پہنچ جاتا ہے، اسلام نے اس کا ایک حل تلاش کر لیا، اور اس کو کامیابی سے عمل مین لاکر بھی دکھا دیا، اور وہ یہ تھا کہ اگرچہ مذہب اور سیاست دونون کے دائرہ ہائے عمل بالکل جدا جدا ہین، لیکن دونون کے قواعد کا ماخذ ایک ہی چیز کو قرار دیا گیا، چنانچہ مسلمانون کا مذہب اور مسلمانون کی سیاست دونون کی رہنمائی قرآن و حدیث، اصولِ انصاف و استحسان

اور ہم آہنگی ضمیر سے ہوتی ہے ،

سیاسی اصطلاحات | اسلامی اداروں نے سیاست نے اپنی بہت سی اصطلاحیں قرآن مجید ہی سے لی ہیں ، چنانچہ امت اور ملت سے سیاسی جماعت مراد ہوتی ہے ، خلیفہ اور امام اس جماعت کے سردار کا نام ہوتا ہے (دیکھئے قرآن مجید ۲ ، نیز سیرۃ ابن ہشام ص ۳۴۱ میں رسول کریم صلعم نے شہر مدینہ کے لئے ہجرت کے بعد جو دستورِ مملکت نافذ فرمایا تھا ، اور جس کا پورا متن خوش قسمتی سے ہم تک پہنچ چکا ہے ، اس کی دفعہ (۲) مین بھی انہی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا ہے ، لفظِ خلیفہ کے لئے دیکھئے قرآن مجید ۲ اور لفظ امام کے لئے ۱۲۴ ،

جانشینی | لفظ خلیفہ کے ساتھ ہم جانشینی کے خاردار مسئلہ سے دوچار ہو جاتے ہین ، یہی وہ مسئلہ ہے جس نے تیرہ سو سال سے مسلمانون کو دو بڑی متخاصم جماعتون میں تقسیم کر دیا ہے ، جو اسلام رسول کریم صلعم اپنی امت کے لئے لائے تھے ، اور جس کی آپ عمر بھر تبلیغ کرتے رہے ، اس کے بنیادی اصولوں مین کہین بھی اس کا ذکر نہین ہے ، کہ آپ کی جانشینی کے لئے کیا اصول ہو ، اور اس اصول کا ماننا اس سے بھی کم ایک جزو عقیدہ امر بن سکتا ہے ، لیکن بدقسمتی سے اس کے بالکل برعکس صورت حال پیدا ہو گئی ، اور ہر دو فریقون کے ہان غلو رکھنے والے خیالات بھی پھیلتے رہے ، حالیہ زمانہ مین ایک حل جو اس کے لئے سوچا گیا ہے وہ سنجیدہ غور کا مستحق ہے ، وہ یہ کہ سُنی اور شیعہ دونون اس امر پر متفق ہین کہ تاریخی واقعہ کی حیثیت سے جناب رسالت مآب صلعم کے بعد حضرت علیؓ پہلے خلیفہ نہین ہوئے ، اسی طرح شیعہ اور سُنی دونون ہی اس پر متفق ہین کہ روحانی امور مین حضرت علیؓ جناب رسالت مآب صلعم کے خلیفہ بلا فصل ہین ، چنانچہ چشتیہ ، قادریہ ، سہروردیہ وغیرہ قریب قریب

---

۵۱ معاف : "خلیفہ بلا فصل" کے معنی گویا یہ ہوئے کہ جس نے براہِ راست مشکوٰۃ نبوت سے فیض پایا ہو ، اس معنی کے لحاظ سے تمام اکابر صحابہ خلفای بلا فصل تھے ، اور عالم روحانی مین تعدد خلفای بلا فصل ممنوع نہین ۔

تمام صوفی سلسلے اسی کو مانتے ہیں[1]۔ اب رہا یہ امر کہ حضرت علیؓ کو سیاسی جانشینی کا بھی استحقاق تھا یا نہیں، یہ ایک خالص علمی مسئلہ رہ جاتا ہے، جس کو آئے دن کی روزمرہ سیاسی زندگی پر اب تیرہ سو سال بعد اثر انداز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی،

جس طرح ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے آنے تک اول الذکر ہی کی شریعت باقی رہتی ہے، اسی پر قیاس کرکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک حکمران کی وفات کے باوجود اس کے جانشین کے انتخاب تک اول الذکر ہی کا اقتدار جاری رہتا ہے، اور اسی کے مقرر کردہ افسر اپنے فرائضِ منصبی انجام دیتے رہنے کے پابند ہیں، چنانچہ :-

كان ابو حنيفة يقول اذا مات	امام ابو حنیفہ فرماتے تھے، اگر خلیفہ
الخليفة فالقاضي على قضائه	کا انتقال ہو جائے، تو قاضی اپنی
والوالي على ولايته حتى يغيره	قضات پر اور والی اپنی حکومت
القائم بعده، (مناقب ابي حنيفة	پر باقی رہتا ہے، جب تک خلیفہ کا
للموفق ج ۱ صفحہ ۸۸)	جانشین اسے بدل نہ دے،

اسی مسئلہ کو قاتلِ حضرت عمرؓ کے بعض بے گناہ ہم وطنوں کی شہادت اور ان شہداء کی عدم داروگیر کے افسوسناک تاریخی واقعہ کے باعث تھوڑی سی اہمیت تھی، اس لئے اس کا بھی ذکر کردیا گیا،

یہ سرسری خاکہ زیادہ قابل اہلِ علم کے لئے دعوت ہے، کہ اس اہم موضوع پر توجہ کرکے ملک وملت کی رہنمائی کریں، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] اور یوں بھی عالم مادی میں "دو شاہان در اقلیمے نہ گنجند" صحیح ہو تو ہو عالم روحانی میں ایک سے زیادہ خلیفہ بلا فصل ہونے میں کوئی مانع نہیں،